معیارِ نبوت اور مرزا قادیانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”محترم مولانا صاحب! السلام علیکم

آپ کو تھوڑی سی زحمت دینا چاہتا ہوں، امید ہے آپ اس سلسلے میں میری مدد فرما کر ضرور میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ دراصل میرا واسطہ ایک احمدی (یہ لکھنا اور کہنا صحیح نہیں، انہیں قادیانی یا مرزائی لکھا جائے۔ ناقل) سے پڑا اور جب میں نے اس کو احمدیت چھوڑ دینے کے لئے کہا تو اس نے درج ذیل وضاحت طلب نقاط رکھے، میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، تاکہ آپ اس سلسلہ میں مدلل جواب دیں، جس پر وہ لاجواب ہوجائے اور دین حق کو قبول کرلے۔

الف:...... بقول مرزا غلام احمد کے: قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ حضورؐ کو کہتا ہے کہ: ”اگر وہ مجھ پر افترا کرتا تو میں اسے فی الفور پکڑلیتا، اور اس کی رگِ جان کاٹ دیتا۔“

(انجام آتھم ص:۴۹)

اب میں اس سلسلہ میں آپ سے پوچھنا چاہوں گا:

ا:......کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کس مقام پر کہی ہے؟

۲:......اس قرآنی آیت سے درحقیقت کیا مراد ہے؟

۳:......کیا دنیا میں جتنے بھی جھوٹے نبی آئے، یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا، ان سب کی اللہ تعالیٰ نے رگِ جان کاٹ دی، اور وہ قتل ہوئے؟ یا کچھ ایسے بھی تھے جو قتل نہیں ہوئے بلکہ وہ طبعی موت مرے، باوجود اس کے کہ وہ اللہ پر افترا کرتے رہے، ان کی مثالیں ضرور دیجئے۔

ب:......مرزا غلام احمد نے ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ:۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹ پر ایک دارقطنی کی حدیث جو امام باقر سے مروی ہے نقل کی ہے، اور بقول ان کے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ان لمهدينا آيتين لم تكونا منذ خلق السمٰوات والارض ينكسف القمر لاول ليلة من رمضان وتنكسف الشمس في النصف منه ولم تكونا منذ خلق السمٰوات والارض."

(ضمیمہ انجام آتھم ص:۴۶، روحانی خزائن ج:۱۱ ص:۳۳۰)

ترجمہ:......"ہمارے مہدی کے دو نشان ہیں، یہ نشان آسمان و زمین کی پیدائش سے لے کر کبھی ظاہر نہیں ہوئے، ایک تو یہ کہ چاند کو پہلی رات میں گرہن لگے گا، اور دوسرا یہ کہ سورج کو اسی رمضان کی درمیانی تاریخ میں گرہن لگے گا، اور یہ دونوں باتیں آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے کبھی نہیں ہوئیں۔"

اس کی تشریح کرتے ہوئے مرزا کہتا ہے کہ ۱۸۹۴ء رمضان کی ۱۳ تاریخ کو چاند اور ۲۸ تاریخ کو ہونے والا سورج گرہن ایسا تھا، جو اس کے لئے بطور نشان تھا، اور یہ کبھی نہیں ہوا کہ ان تاریخوں میں یعنی ۱۲ر کو چاند گرہن اور ۲۸ر کو سورج گرہن ہوا ہو، اور اس دوران کوئی مدعی نبوت یا مہدویت بھی ہو، اور یہ کہ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن کا مطلب ۱۳ر تاریخ اس لئے ہے کہ ہمیشہ رمضان میں چاند گرہن ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو لگتا ہے، اور سورج گرہن جو رمضان کی رات ہوا اس سے مراد ۲۸ کی رات ہے، کیونکہ ہمیشہ رمضان میں سورج گرہن ۲۷، ۲۸، ۲۹ کو ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ:

۱:......آپ اس حدیث کے معانی کی تشریح کریں۔

۲:......مرزا نے جو تشریح کی ہے، اس پر تبصرہ کریں۔

۳:......اور ۱۸۹۴ء میں ہونے والے خسوف و کسوف کی کیا حقیقت تھی؟

ج:......مرزا نے براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ:۵۱ پر لکھا ہے کہ قرآنی آیت: "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ کیا عیسیٰ تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ وہ تجھے اور تیری ماں کو معبود ٹھہرائیں؟ تو عیسیٰ جواب دیں گے کہ جب تک میں اپنی قوم میں تھا، تو میں ان کے حالات سے مطلع تھا اور گواہ تھا، پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کے حالات سے

واقف تھا، یعنی بعد وفات کے مجھے ان کے حالات کی کچھ خبر نہیں۔

مرزا اس آیت سے دو باتیں ثابت کرتا ہے:

۱:...... یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس آیت میں اقرار کرتے ہیں کہ جب تک میں ان میں تھا، میں ان کا محافظ تھا، اور وہ میرے روبرو نہیں بگڑے، پس اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک آسمان پر زندہ ہیں تو ساتھ ہی اقرار کرنا پڑے گا کہ عیسائی بھی بگڑے نہیں، کیونکہ اس آیت میں عیسائیوں کا بگڑنا، "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ" کا نتیجہ ٹھہرایا گیا ہے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر موقوف رکھا گیا ہے، جبکہ ظاہر ہے کہ عیسائی بگڑ چکے ہیں تو ساتھ ہی ماننا پڑتا ہے کہ عیسیٰ بھی فوت ہوچکے ہیں، ورنہ تکذیب آیت قرآنی لازم آتی ہے۔

۲:...... آیت میں صریح طور پر بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ عیسائیوں کے بگڑنے کی نسبت سے لاعلمی ظاہر کریں گے اور کہیں گے مجھے تو ان کے حالات کی اس وقت تک کی خبر ہے جب تک میں ان میں تھا، اور بعد وفات کے کچھ خبر نہیں، اگر حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئے ہوتے اور عیسائیوں کی ضلالت پر بھی اطلاع پاتے تو پھر ان کا یہ عذر محض دروغ گوئی، ٹھہرتا، اور اس کا جواب تو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ہونا چاہئے تھا کہ اے گستاخ شخص! میرے روبرو کیوں جھوٹ بولتا ہے، اور کیوں محض دروغ گوئی کے طور پر کہتا ہے کہ مجھے بگڑنے کی کچھ

خبر نہیں۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ میں نے قیامت سے پہلے دوبارہ تجھے دنیا میں بھیجا تھا، تو تو نے عیسائیوں سے لڑائیاں کی تھیں، صلیب توڑی تھی اور خنزیر قتل کئے تھے، تو پھر ایسا عقیدہ رکھنا کہ وہ دوبارہ آئیں گے، سے ظاہراً وہ دروغ گو نعوذ باللہ! ٹھہرتے ہیں۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱:...... اس آیت کی اصل تشریح کیا ہے؟

۲:...... مرزا کی تشریح پر تبصرہ کریں۔

مجھے امید ہے کہ آپ جلد از جلد اس سلسلہ میں آسان اور واضح جواب بھیج کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے، نوازش ہوگی۔

ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن بہاول پور۔''

جواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

مکرم و محترم زیدت معالیکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ان سوالوں کے جوابات مختصراً لکھتا ہوں۔

۱:...... مرزا صاحب کا ان آیات کو اپنی صداقت میں پیش کرنا کئی وجہ سے غلط ہے۔

اول:...... سورۃ الحاقہ کی یہ آیات (۴۴ تا ۴۷) قضیہ شخصیہ ہیں، قاعدہ کلیہ نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ جن مدعیان نبوت کاذبہ نے مہلت پائی ان کو سچا نبی سمجھا جائے، اور جو انبیائے کرام علیہم السلام کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے ان کو نعوذ باللہ! جھوٹا سمجھا جائے۔

دوم:......کسی چیز کو کسی معیار پر پرکھنے کی ضرورت تب ہوتی ہے جبکہ اس کے صحیح یا غلط ہونے کے دونوں احتمال موجود ہوں، جو چیز بالبداہت غلط اور کھوٹی ہو اس کو کوئی عاقل کسی معیار پر پرکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کیا کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے، اور اس کا امکان ہی باقی نہیں رہا کہ کسی شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے منصب سے سرفراز کیا جائے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ بالبداہت باطل ہے، اس کو کسی معیار پر جانچنے کی کوشش ہی عبث ہے، ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

"التحدی فرع دعوی النبوة ودعوی النبوة بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع."(ص:۲۰۲)

ترجمہ:......"معجزہ نمائی کا چیلنج فرع ہے دعویٰ نبوت کا، اور نبوت کا دعویٰ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بالاجماع کفر ہے۔"

سوم:......ان دونوں باتوں سے قطع نظر اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ یہ آیت ہر مدعی نبوت کے صدق وکذب کا معیار مقرر کرتی ہے تو اس آیت کی رُو سے خود مرزا صاحب کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے، اس کی تقریر تین مقدموں پر موقوف ہے۔

ایک یہ کہ مرزا صاحب کے نزدیک یہ آیت ہر ایک مفتری کے لئے نہیں، بلکہ صرف مدعیٔ نبوت کے لئے ہے (دیکھئے ضمیمہ اربعین نمبر:۳و۴، ص:۱۱)۔

دوسرے یہ کہ مرزا صاحب کے نزدیک اس آیت کریمہ کی رُو سے سچے نبی کو ۲۳ برس کی مہلت ضرور ملتی ہے، اگر کوئی مدعی نبوت اتنی مہلت نہ پائے تو جھوٹا ہے، چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"اگر کوئی شخص بطور افترا کے نبوت اور ماموز من اللہ

ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت کے مانند ہرگز زندگی نہیں پائے گا۔“ (اربعین نمبر:۴ ص:۱)

تیسرا مقدمہ یہ کہ مرزا صاحب نے، ان کے صاحبزادے مرزا محمود صاحب کے بقول ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اس سے پہلے وہ دعویٔ نبوت سے انکار کرتے تھے، چنانچہ مرزا محمود صاحب لکھتے ہیں:

”اور چونکہ ایک ”غلطی کا ازالہ“ ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا ہے جس میں آپ نے (یعنی مرزا صاحب نے) اپنی نبوت کا اعلان بڑے زور سے کیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے (یعنی اپنے آپ کو نبی سمجھنے لگے) اور ۱۹۰۰ء ایک درمیانی عرصہ ہے جو دونوں خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حد فاصل ہے پس ...... یہ ثابت ہے کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے، اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔“ (حقیقۃ النبوۃ ص:۱۲۱)

مرزا محمود صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب ۱۹۰۱ء سے پہلے اپنے نبی ہونے کا انکار کرتے تھے، ۱۹۰۱ء میں آپ نے کھل کر نبوت کا دعویٰ کیا، اور ۱۹۰۰ء میں دعویٔ نبوت کا کچھ کچھ خیال پیدا ہو رہا تھا۔

ان تین باتوں کو ملحوظ رکھ کر دیکھئے کہ مرزا صاحب ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء کو وبائی ہیضہ سے (جس کی انہوں نے مولانا ثناء اللہ مرحوم کے مقابلہ میں اپنے لئے بددعا کی تھی) مرجاتے ہیں، ان کو دعویٔ نبوت کے بعد صرف ساڑھے سات سال مہلت ملی، جبکہ یہ خود ان کے بقول قرآنی معیار کے مطابق ان کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

۲:......دارقطنی کی روایت سے مرزا قادیانی کا استدلال چند وجوہ سے غلط ہے۔

اول:......یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں، بلکہ امام محمد باقرؒ کا قول ہے جو شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ کے پوتے ہیں۔

دوم:......اس روایت کے دو راوی عمرو بن شمر اور جابر جعفی جھوٹے رافضی ہیں، عمرو بن شمر کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کی آرأ یہ ہیں: امام دارقطنی اور نسائی کہتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے۔ جوزنجانی کہتے ہیں کہ وہ گمراہ جھوٹا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ غالی رافضی تھا جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں دیتا اور موضوع روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں: ''لیس بشی ء۔'' (یعنی وہ کچھ نہیں محض لغو ہے)۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ سلیمانی کہتے ہیں کہ وہ روافض کے لئے حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال ج:۲ ص:۲۹۱) امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ شخص جابر جعفی کے حوالے سے بکثرت من گھڑت روایتیں نقل کیا کرتا تھا۔ امام ابونعیم فرماتے ہیں کہ یہ جابر جعفی کی منکر اور موضوع روایتیں نقل کرتا ہے۔ (لسان المیزان ج:۴ ص:۳۶۷)

اس روایت کو عمرو بن شمر، جابر جعفی سے نقل کرتا ہے، جابر جعفی کٹر رافضی تھا جو رجعت کا عقیدہ رکھتا تھا، امام شعبیؒ نے اس سے کہا تھا کہ تو نہیں مرے گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہ باندھے۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ امام شعبیؒ کے اس ارشاد پر چند ہی دن گزرے تھے کہ جابر کو متہم بالکذب پایا گیا۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں جن لوگوں سے ملا ہوں ان میں جابر جعفی سے بڑھ کر کسی کو جھوٹا نہیں پایا۔
(تہذیب التہذیب ج:۲ ص:۴۹)

غالباً پہلے اس شخص کا رفض نہیں کھلا ہوگا، اس لئے بعض اکابرؒ نے اس کی توثیق بھی کی ہے، بعد میں جب اس کی حقیقت کھلی تو اسے ترک کردیا تھا۔ حافظ

تقریب میں لکھتے ہیں: ''ضعیف رافضی'' انصاف کیجئے! جس روایت کی سند میں ایک چھوڑ دو کذاب راوی موجود ہوں، کیا اس سے کوئی دینی وشرعی مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ اس کا تعلق فروعی مسائل سے نہیں بلکہ اعتقاد ونظریاتی مسائل سے ہو؟

سوم:......اس روایت کے صحیح یا غلط ہونے سے قطع نظر اس کے الفاظ پر غور کیجئے! اس روایت میں کہا گیا کہ امام مہدی کی خاص علامت یہ ہے کہ رمضان مبارک کی پہلی رات کو چاند گہن اور پندرہویں تاریخ کو سورج گہن ہوگا، اور یہ علامت جب سے آسمان و زمین کی تخلیق ہوئی ہے کبھی ظہور میں نہیں آئی۔ اب ذرا ماہرین فلکیات سے دریافت کیجئے کہ کیا رمضان مبارک میں کبھی اس شان کا کسوف وخسوف ہوا ہے، خود مرزا قادیانی نے صراحت کی ہے کہ ۱۸۹۴ء کا چاند گہن رمضان مبارک کی ۱۳/ تاریخ کو اور سورج گہن رمضان کی ۲۸/ تاریخ کو ہوا تھا، کیا ۱۳/ تاریخ رمضان کی پہلی اور ۲۸/ تاریخ رمضان کی درمیانی تاریخ کہلاتی ہے؟ پس جب روایت کے مطابق یہ علامت پائی ہی نہیں گئی تو اس کو اپنی صداقت کا نشان قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

رہا مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ ان تاریخوں میں کبھی کسی مدعی کے زمانے میں خسوف وکسوف کا اجتماع نہیں ہوا، محض ابلہ فریبی ہے، ماہرین فلکیات کے مطابق گزشتہ بارہ تیرہ صدیوں میں ساٹھ مرتبہ رمضان مبارک میں کسوف اور خسوف کا اجتماع ہوچکا ہے، اور ان موقعوں پر متعدد مدعیان مہدویت ومسیحیت بھی موجود تھے، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری ''رئیس قادیان'' میں لکھتے ہیں:

> ''مرزا صاحب کا یہ بیان بھی ناقابل التفات ہے کہ دونوں نشان میرے سوا کسی مدعیٔ نبوت کے واسطے جمع نہیں ہوئے، کیونکہ کتاب حدائق النجوم (ص:۲۰۷، ۷۰۷) اور اسٹرونومی مؤلفہ مسٹر نارمن لوکیئر (ص:۱۰۲) اور مسٹر کیتھ کی کتاب ''یوراوف دی گلوبس'' (ص:۲۷۳، ۲۷۶) جدول کسوف

وخسوف) کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں (۱۸ھ سے ۱۳۱۲ھ تک) ساٹھ مرتبہ رمضان المبارک میں اجتماع کسوفین ہوا، اور قارئین، خاکسار راقم الحروف کی کتاب "ائمہ تلبیس" کے مطالعہ سے معلوم کرسکتے ہیں کہ ان تیرہ صدیوں میں بیسیوں مدعیان مہدویت و نبوت ہر قرن میں مسند تزویر پر بیٹھ کر خلق خدا کو گمراہ کرتے رہے ہیں۔

ایران میں مرزا علی محمد باب نے ۱۲۶۰ھ میں مہدویت کا دعویٰ کیا تھا، اس کے ساتویں سال یعنی رمضان ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں ۱۳ اور ۲۸ رمضان کو خسوف اور کسوف کا اجتماع ہوا، اس کے مارے جانے کے بعد اس کے دونوں جانشین صبح ازل اور بہاء اللہ بھی مہدویت اور مقام "من یظہرہ اللہ" کے مدعی تھے، پس مرزا صاحب کا یہ زعم کہ ۱۸۹۴ء کا اجتماع کسوفین میری مہدویت کا نشان تھا، انتہا درجہ کی جسارت اور دیدہ دلیری ہے۔" (رئیس قادیان ج:۲ ص:۲۰۰)

"اسی طرح مرزا صاحب کا یہ دعویٰ بھی سخت لغو ہے کہ: "اس گرہن کے وقت میں مہدی موعود ہونے کا کوئی مدعی زمین پر بجز میرے نہیں تھا۔" کیونکہ قادیانی صاحب ہی کے زمانے میں محمد احمد مہدی سوڈان میں ناقوس مہدویت بجا رہا تھا۔" (رئیس قادیاں ج:۲ ص:۱۹۹)

الغرض مرزا قادیانی کا دارقطنی کی اس روایت کو اپنے نشان کے طور پر پیش کرنا، کسی صاحب عقل و ہوش کے نزدیک صحیح نہیں ہوسکتا، بلکہ خود یہ روایت اس کے دعویٰ کی تکذیب کرتی ہے، کیونکہ روایت میں جس غیر معمولی اور خارق عادت کسوف و

خسوف کے اجتماع کا ذکر کیا گیا ہے وہ مرزا کے زمانہ میں نہیں پایا گیا، اور جو اس کے زمانہ میں کسوف وخسوف ہوا وہ خرق عادت نہیں تھا، جیسا کہ اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے، بلکہ عام معمول کے مطابق تھا، جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے، اور جس میں کوئی ندرت نہیں، پس جب معلوم ہوا کہ مہدی کے زمانے میں جو خرق عادت کے طور پر کسوف و خسوف ہوگا وہ مرزا کے زمانے میں نہیں پایا گیا، تو اس سے معمولی عقل وفہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ مرزا مہدی نہیں بلکہ دعویٔ مہدویت میں جھوٹا ہے، کیونکہ مہدی کی خاص علامت اس میں نہیں پائی گئی۔

۲:......مرزا صاحب نے آیت کریمہ: **"فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ"** کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس میں چند امور قابل غور ہیں:

اول:......مرزا کی پہلی کتاب براہین احمدیہ کا حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا تھا، جیسا کہ اس کے سرورق پر درج ہے، اور اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ تھے، چنانچہ قرآن کریم کی آیت اور اپنے الہام کے حوالے سے مرزا صاحب نے ان کی دوبارہ تشریف آوری کی اطلاع ان الفاظ میں دی تھی:

> "**هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله.**" یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ (اس آیت میں) دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا، اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اقطار میں پھیل جائے گا، لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار...... مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے، اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقع

ہوئی ہے ...... سو چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ
ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتدأ سے اس
عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے، یعنی حضرت مسیح پیش گوئی متذکرہ
بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی
اور معقولی طور پر اس کا محل اور مورد ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم طبع اول ص:۴۹۸، ۴۹۹)

مرزا صاحب کی اس عبارت سے واضح ہے کہ ۱۸۸۴ء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بقید حیات تھے، قرآن کریم ان کی دوبارہ تشریف آوری کا اعلان کر رہا تھا، اور مرزا صاحب پر بطور الہام یہ بات ظاہر کی گئی تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس قرآنی پیش گوئی کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ۱۸۸۴ء کے بعد کون سی تاریخ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی؟ اور اس کے بعد کون سی آیت کریمہ نازل ہوئی، جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کی اطلاع دی گئی ہو؟ اور یہ امر بھی قابل دریافت ہے کہ آیت کریمہ: "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ" سے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے تو یہ آیت تو قرآن کریم میں اس وقت بھی موجود تھی، پھر مرزا نے ایک جھوٹی پیش گوئی کو قرآن کریم کے حوالے سے کیوں اپنی کتاب میں درج کیا اور اس کے ملہم نے مرزا کو کیوں یہ جھوٹی اطلاع دی کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس قرآنی پیش گوئی کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہیں؟

اور یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر مرزا صاحب براہین احمدیہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ ہونے اور دوبارہ دنیا میں تشریف لانے پر قرآن کریم کی آیت سے غلط استدلال کر سکتے ہیں اور اس کے لئے اپنا جھوٹا الہام پیش کر سکتے ہیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وفاتِ مسیح پر جو آیات سے استدلال کرتے ہیں وہ غلط نہیں ہے اور جو الہامات پیش کرتے ہیں وہ جھوٹے نہیں ہیں؟

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ خود مرزا صاحب ہی بقلم خود حیاتِ مسیح پر قرآن کریم کی آیت اور اپنا الہام پیش کر چکے ہیں، بعد میں انہوں نے اسلامی عقیدے سے انحراف کرکے نیچریوں کی تقلید کرلی اور وفاتِ مسیح کا عقیدہ تراش لیا، جو شخص قرآنی اور الہامی عقیدے سے انحراف کرکے ایک نیا عقیدہ تراش لے وہ دیندار نہیں بلکہ بے دین کہلاتا ہے، اور اگر اس نئے عقیدے پر قرآن کریم کی کسی آیت یا کسی حدیث شریف سے استدلال کرے تو وہ ملحد اور زندیق کہلاتا ہے، حیاتِ مسیح کا عقیدہ خود مرزا کی تصریح کے مطابق قرآنی و الہامی عقیدہ تھا، مرزا نے نیچریوں کی تقلید میں اس قرآنی عقیدہ کو چھوڑا اور اس کے برخلاف قرآن کریم کی آیتوں سے استدلال کرنے لگے تو ان کے بے دین، ملحد اور زندیق ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟

دوم:...... یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ آیت کریمہ: "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ" یا دوسری وہ آیات جن کو مرزا قادیانی وفاتِ مسیح کے ثبوت میں پیش کرتا ہے، چودھویں صدی میں نازل نہیں ہوئیں، پہلے بھی وہ قرآن مجید میں موجود تھیں، اور گزشتہ تیرہ چودہ صدیوں کے اکابر امتؒ اور مجددین ملت کی نظر سے وہ اوجھل نہیں تھیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور تمام صدیوں کے اکابرین امتؒ ان آیات کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے اور دوبارہ تشریف لانے کا عقیدہ رکھتے تھے، خود مرزا صاحب لکھتے ہیں:

> "مسیح ابن مریم کے آنے کی پیشگوئی ایک اول درجہ کی پیش گوئی ہے، جس کو سب نے بالاتفاق قبول کرلیا ہے، اور جس قدر صحاح میں پیش گوئیاں لکھی گئی ہیں، کوئی پیش گوئی اس کے ہم پہلو اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی، تواتر کا اول درجہ اس کو حاصل ہے، انجیل بھی اس کی مصدق ہے۔"
>
> (ازالہ اوہام ص:۵۵۷ طبع اول، روحانی خزائن ج:۳ ص:۴۰۰)

اور یہ بات عقلاً وشرعاً ناممکن اور محال ہے کہ قرآن کریم کی آیات کا مطلب نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا ہو، نہ صحابہ کرامؓ نے، نہ تابعین عظامؒ نے، نہ تیرہ چودہ صدیوں کے اکابر امت اور مجددین ملت نے۔ پس اگر ان آیات کا وہی مطلب ہوتا جو مرزا صاحب بیان کر رہے ہیں تو مرزا صاحب کو وفات مسیح کے عقیدے کا اعلان کرنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ یہ عقیدہ روز اول سے امت میں متواتر چلا آنا چاہئے تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں، وہ دوبارہ نہیں آئیں گے۔ لیکن اس کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مرزا صاحب کی براہین احمدیہ تک تمام اکابرین امت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے اور دوبارہ آنے کا عقیدہ رکھتے چلے آئے ہیں اور اس عقیدہ کو قرآن کریم کی آیات بینات اور احادیث متواترہ سے ثابت کرتے آئے ہیں۔ تفسیر، حدیث اور عقائد کی تمام کتابوں میں اس عقیدے کو جلی عنوان سے ذکر کیا گیا ہے، اب انصاف کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر تمام اکابر امت کا عقیدہ تو غلط ہو اور قرآن کریم کی آیات بینات کا مطلب نہ سمجھیں اور مرزا قادیانی کا عقیدہ (جو نیچریوں کی تقلید میں اپنایا گیا) وہ صحیح ہو اور مرزا صاحب قرآن کریم کی ان آیات کا مطلب سمجھ جائیں، کیا کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے؟ اس نکتہ کو سامنے رکھ کر ہر شخص بالبداہت سمجھ لے گا کہ براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے صحیح عقیدہ لکھا تھا، بعد میں وہ پٹڑی سے اتر گئے اور یہ کہ قرآن مجید میں وفات مسیح کے عقیدے کا کوئی نام ونشان نہیں ہے، مرزا صاحب محض اپنی ذہنی اختراع کو لفاظی کے زور سے قرآن کریم کے سر منڈھنا چاہتے ہیں۔

سوم:......آیت کریمہ: ”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ“ وفات مسیح کو ثابت نہیں کرتی بلکہ خود قادیانی عقیدے کی جڑ کو کاٹتی ہے، کیونکہ اس آیت شریفہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی دو حالتیں ذکر کی گئی ہیں، پہلی قوم کے درمیان موجود رہنے کی، جس کو

"وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ." میں ذکر فرمایا گیا ہے، اور دوسری اس کے بالمقابل قوم کے درمیان غیر موجودگی کی، جس کو "تَوَفَّيْتَنِيْ" میں ذکر کیا گیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں عرض کر رہے ہیں کہ میں جب تک ان کے درمیان موجود رہا تب تک ان کے احوال پر مطلع رہا، اور ان کی نگرانی کرتا رہا کہ کوئی غلط عقیدہ نہ اپنالیں، پھر جب میرے ان کے درمیان قیام کی مدت پوری ہوگئی اور آپ نے ان کے درمیان سے مجھے اٹھالیا تو اس کے بعد آپ ہی ان کے نگہبان تھے، اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا، نہ اس کی کوئی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔

مسلمان مفسرین یہاں توفی کی تفسیر رفع آسمانی سے کرتے ہیں، اور اس تفسیر کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قوم کے درمیان رہنے اور ان کے اٹھائے جانے کی دو حالتوں کے درمیان تقابل بالکل واضح ہے، یعنی جب تک نہیں اٹھائے گئے اس وقت تک قوم کے درمیان تھے، اور جب ان کو اٹھالیا گیا تو قوم کے درمیان نہیں رہے، لیکن مرزا قادیانی یہاں توفی کے معنی موت کے کرتے ہیں، اور اسی کے ساتھ اس کے بھی قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دی گئی، وہ صلیب پر "کَالمیّت" ہوگئے، تو تین دن تک ایک قبر نما حجرے یا حجرہ نما قبر میں ان کے زخموں کا علاج کیا گیا، اور پھر وہ بھاگ کر کشمیر چلے آئے، یہاں ستر اسّی سال زندہ رہنے کے بعد ان کا انتقال ہوگیا، گویا مرزا کے بقول عیسیٰ علیہ السلام کی تین حالتیں تھیں، ایک قوم کے درمیان قیام پذیر رہنے کی، دوسری کشمیر کی طرف ہجرت کرکے ایک عرصہ تک زندہ رہنے کی اور تیسری موت کی۔ مرزا کی اس تقریر کے مطابق ان دونوں حالتوں میں جو قرآن کریم میں ذکر کی گئی ہیں کوئی تقابل نہیں رہتا، مرزا کے عقیدے کے مطابق تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فرمانا چاہئے تھا کہ جب تک ان کے درمیان موجود رہا ان پر گواہ رہا، پھر میں نے کشمیر کی طرف ہجرت کی تو آپ ان کے نگہبان تھے، الغرض "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ" کے معنی یہ ہیں کہ جب تو نے مجھے اپنی تحویل میں لے

کر آسمان پر اٹھالیا تو آپ ہی نگہبان تھے، کوئی سی تفسیر اٹھا کر دیکھ لیجئے، آپ کو یہی تفسیر ملے گی، اس لئے مرزا نے آیت کا جو مفہوم بیان کیا ہے، وہ خود اس آیت کی رُو سے غلط ٹھہرتا ہے۔

یہاں ایک نکتہ اور بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے (یہ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کا افادہ ہے) وہ یہ کہ جب کسی نبی کو اپنی قوم کے درمیان میں سے ہجرت کر جانے کا حکم ہوتا ہے تو سنۃ اللہ یوں ہے کہ یا تو اس قوم کو تہس نہس کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قوموں کے واقعات قرآن کریم میں ذکر کئے گئے ہیں، یا پھر اس نبی کو فاتحانہ شان سے قوم میں واپس لایا جاتا ہے اور قوم اس کی مطیع ہو جاتی ہے جیسا کہ ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا کہ آپؐ جس شہر سے ہجرت فرما کر گئے تھے، سات سال بعد اس میں فاتحانہ واپس تشریف لائے اور پوری قوم آپؐ کی مطیع ہوگئی۔

اہل اسلام کے نزدیک سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان پر تشریف بری ان کی ہجرت تھی، مگر ان کے تشریف لے جانے کے بعد ان کی قوم (یہود) کو عاد وثمود کی طرح ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ ان کا معاملہ قرب قیامت تک ملتوی رکھا گیا، قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کرنے کے لئے، جو اس وقت یہود کا رئیس ہوگا، واپس تشریف لائیں گے، جو لوگ آپ پر ایمان لائیں گے وہ باقی رہ جائیں گے، باقی سب کا صفایا کر دیا جائے گا، جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

لیکن مرزا قادیانی کے قول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے، وہیں مرمرا گئے، ان کے جانے کے بعد نہ قوم کو ہلاک کیا گیا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واپس لایا گیا، مرزا قادیانی کا یہ قول سنت اللہ کے قطعاً خلاف ہے، اگر عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت آسمان کی طرف نہیں بلکہ کشمیر کی طرف ہوئی تھی تو وہاں ان کی گمنامی کی موت واقع نہ ہوتی، بلکہ ان کو فاتحانہ شان سے دوبارہ ان

کی قوم میں واپس لایا جاتا۔

نمبر:۲ میں آپ نے مرزا کی جو تقریر نقل کی ہے کہ:

> ''اس آیت میں صریح طور پر بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ عیسائیوں کے بگڑنے سے لاعلمی ظاہر کریں گے اور کہیں گے کہ مجھے تو ان کے حالات کی اس وقت تک خبر ہے جب تک میں ان میں تھا، اور وفات کے بعد کی خبر نہیں۔''

مرزا کی یہ تقریر خود اس کی اپنی تصریح کے خلاف ہے، چنانچہ وہ ''آئینہ کمالات اسلام'' میں لکھتا ہے:

> ''اور میرے پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہرناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا میں پھیل گئی حضرت عیسیٰ کو اس کی خبر دی گئی۔'' (آئینہ کمالات ص:۲۵۴، روحانی خزائن ص:۲۵۴)

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے:

> ''خدائے تعالیٰ نے اس عیسائی فتنہ کے وقت میں یہ فتنہ حضرت مسیح کو دکھایا یعنی ان کو آسمان پر اس فتنہ کی اطلاع دے دی کہ تیری قوم اور تیری امت نے اس طوفان کو برپا کیا ہے۔'' (آئینہ کمالات ص:۲۶۸ حاشیہ، روحانی خزائن حاشیہ ص:۲۶۸)

جب اللہ تعالیٰ نے بقول مرزا آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں کے بگاڑ اور فتنہ کی خبر دے دی تھی تو خود ہی سوچئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیسے کرسکتے ہیں؟ کیا اس صورت میں بھی وہ پوری بے ہودہ تقریر جاری نہیں ہوتی جو مرزا نے عیسیٰ علیہ السلام اور خدا تعالیٰ کی گفتگو کی نقل کی ہے؟ اور جس کے نقل کرنے سے بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں!!

دراصل مرزا کو قرآن سے اپنی مطلب براری کے سوا کوئی تعلق نہیں تھا، اس

لئے اس نے جیسا موقع دیکھا قرآن کریم کی آیات کا مطلب گھڑ لیا، زیر بحث آیات کا یہ مطلب نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اپنی قوم کے بگاڑ سے لاعلمی کا اظہار فرمائیں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ: اس بگڑی ہوئی قوم سے اپنی برأت فرمائیں گے کہ: میں جب تک ان کے درمیان قیام پذیر رہا ان کی پوری پوری نگرانی کرتا رہا کہ کسی غلط عقیدہ میں مبتلا نہ ہوجائیں، پھر جب آپ نے مجھے اٹھایا تو میری ذمہ داری ختم ہوگئی، اس کے بعد اگر انہوں نے گمراہی اختیار کی ہے تو میں ان سے بری الذمہ ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوم کے بگاڑ کا علم ہونے یا نہ ہونے کی بات ہی زیر بحث نہیں کہ وہ یہ جواب دیتے کہ مجھے علم نہیں، جو بات زیر بحث ہے کہ کیا تم نے ان لوگوں سے کہا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنالینا؟ اس کے جواب میں وہ عرض کریں گے کہ توبہ! توبہ! میری کیا مجال کہ میں ان سے ایسی بات کہتا، میں نے تو ان کو توحید کی تعلیم دی تھی، اور جب تک ان میں رہا، ان کے عقیدۂ توحید کی پوری پوری نگرانی کرتا رہا، یہ میرے اٹھائے جانے کے بعد بگڑے ہیں، جس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں بلکہ خود انہی پر عائد ہوتی ہے۔

غور فرمایئے کہ یہ تقریر صحیح ہے یا جو مرزا نے کی وہ صحیح ہے...!!

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی ج:۲ ش:۲۵)